بُلبُل ہزار داستاں

عشنا کوثر سردار

بلبل ہزار داستان

عشنا کوثر سردار

وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر برس گئیں
دلِ بے خبر! میری بات سن' اسے بھول جا' اسے بھول جا
نہ وہ آنکھ ہی تیری آنکھ تھی' نہ وہ خواب ہی تیرا خواب تھا
دلِ منتظر تو یہ کس لیے تیرا جاگنا' اسے بھول جا

''نتاشا کتنے راستے ہیں چار سمت پھیلے ہوئے۔ کتنی بہت سی منزلیں ہیں۔ پھر میرے قدم تمہاری طرف ہی کیوں اٹھتے ہیں کمال' ایسا کیا ہے تم میں' کیوں گریز پائی برتتے ہوئے بھی تم میرے شوق جنوں کو بڑھائے جاتی ہو؟ کیوں مجھے اپنی سمت کھینچتی چلی جاتی ہو جب غافل ہو تو یہ میرا جنوں پھر کس لیے ہے؟'' ارحم ضیاء کے لہجے میں اس لمحے بہت سی دیوانگی بول رہی تھی اور نتاشا کمال عجب سرسری انداز میں اس کی سمت دیکھتے ہوئے اپنا دھیان اس کی سمت سے ہٹا گئی تھی۔ پھر اس نے اسی انداز سے آگے بڑھ جانا چاہا تھا۔ جب ارحم ضیاء مسکرایا تھا۔

کتنا دلکش ہوں میں' کتنی دلنشیں ہو تم
کیا عجب ہے کہ ہم دونوں مر جائیں گے؟

''وقت یونہی بے سمت راستوں پر چلتے چلتے گزر نہ جائے۔ یہی خدشہ مجھے دن رات پریشان کیے رکھتا ہے۔ حیرت ہے تمہیں اس کا ملال تک نہیں؟'' وہ مدھم لہجے میں اس کی عقل پر افسوس کررہا تھا اور وہ تب ہر سمت سے کان بند کرتی ہوئی آگے بڑھ آئی تھی مگر اس کے گرد ہونے والی بازگشت تھمی نہیں تھی۔ تادیر اس کے ارد گرد وہ مدھم آواز سحر پھونکتی رہی تھی اور وہ جو ہر سمت سے توجہ ہٹا کر آنکھیں اور کان بند کرلینا چاہتی تھی اس صورتحال پر یکدم ہی جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔ کمرے کی فضا میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا' تبھی وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آئی تھی۔ کتنے لمحوں تک بے سبب گاڑی یونہی سڑکوں پر دوڑاتی رہی تھی اور پھر اس بے مقصد سفر سے اکتا کر پھپھو کی سمت آگئی تھی۔ فضا اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''خیریت یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟''

مگر وہ بنا کچھ کہے کاؤچ میں دھنس گئی تھی۔

''لڑکی! مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔ کیوں ہراساں سی مانند آہو بھٹکتی پھرتی ہو۔ آخر تم یہ بلاسبب بھاگنے کا عمل منسوخ کیوں نہیں کر ڈالتیں؟''

نتاشا کمال نے اس کی سمت دیکھا تھا مگر وہ کچھ بولے بغیر اس کی سمت سے دھیان ہٹا گئی تھی۔

"اب شادی کر کے گھر بسا لو تم۔ اس کے علاوہ تمہیں کوئی معقول مشورہ نہیں دے سکتی۔" فضا اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی اور وہ عجب اکتائے ہوئے انداز میں اسے تکنے لگی تھی۔

"ڈونٹ بی اسٹوپڈ فضا۔"

"تمہاری سینئر دوست ہوں۔ اس سے بہتر مشورہ تمہیں نہیں دے سکتی۔ فوراً غور کرلو۔" کافی کے سپ لیتے ہوئے نتاشا کمال نے اسے فقط دیکھا تھا۔ کیا کچھ نہیں تھا۔ فضا کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"تم اس قدر خوفزدہ کیوں ہو۔ وہ انسان ہی ہے کیوں یہ بات تم خود کو تسلیم نہیں کروا سکتیں؟" نتاشا کمال نے کافی کے سپ لیتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ نگاہوں میں گہری ناگواری تھی۔ جیسے اس لمحے وہ اس طرح کا کوئی ذکر سننا نہ چاہتی ہو مگر فضا بولتی چلی گئی تھی۔

"نتاشا کمال! یوں بے اعتباریوں کی فضا میں جیتے جیتے تم خود کو بہت تنہا کرلو گی اور ایسا ہوتے دیکھ کر یقیناً مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ سراب تمہارے اردگرد نہیں ہیں۔ تمہارے اندر بستے ہیں۔ نکل آؤ اپنے اندر سے اور اپنے حصے کی خوشیاں تلاش کرو۔ زندگی سفر کرو۔ یہ بدگمانیاں فقط تمہارے اندر کی منفی سوچ کا حصہ ہیں۔ زندگی سے متعلق تمہیں اپنا نقطہ نظر مثبت کرنے کی ضرورت ہے۔"

"فضا پلیز۔" نتاشا کمال نے قدرے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور تب فضا اپنے لب بھینچ گئی تھی۔

پھر وہ کتنے دنوں تک پھپھو کے یہاں دبکی بیٹھی رہی تھی۔ پتا نہیں وہ اپنے اندر سے خوفزدہ تھی یا باہر کے لوگوں اور ماحول سے۔ مگر وہ فی الحال اپنی آنکھیں کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ اس شام پاپا کا فون آیا بھی تو اس نے کچھ دن مزید وہیں رہنے کا کہہ کر فون دھر دیا۔

یہ بھاگنا، سرپٹ دوڑنا، اپنے اردگرد سے فرار بچپن سے متواتر تھا۔ پہلے وہ تنہائی سے خوفزدہ رہتی تھی۔ پھر ممی کے بعد پاپا نے اس کی تنہائی کو مٹانے کی غرض سے ایک نئی ماں سے جگہ کو پر کردیا تھا اور وہ جو اس اچانک در آنے والے خلا پر خاموشیوں میں گھر گئی تھی اچانک اس بدلنے والی صورت حال نے اسے مزید وحشتوں میں مبتلا کردیا تھا۔ ممی کی اچانک موت نے اسے جو دھچکا دیا تھا۔ ایک نئی ماں کے اچانک چلے آنے سے یہ وحشت دو چند ہوگئی تھی۔ بچپن زیادہ تر پھپھو کے گھر گزرا۔ پاپا اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے مگر وہ پھپھو کے گھر ایزی فیل کرتی تھی۔ فضا اس کی ہم عمر تھی۔ اسے سمجھتی تھی۔ اس کے سنگ رہ کر اسے کسی قدر سکون ملتا تھا۔ پاپا نے اس کے دل بہلنے کے خیال سے کبھی اسے روکا نہیں تھا یا پھر وہ واقعی ان کے لیے ثانوی حیثیت اختیار کرگئی تھی۔ رابعہ بیگم سے اس نے کبھی بات نہیں کی تھی۔ کبھی انہیں مخاطب نہیں کیا تھا مگر اس کے باوجود ان کا رویہ اسے اپنے لیے بہت کاٹ دار لگا تھا۔ شاید فطری سوتیلا پن تھا اور یہی ایک بڑی وجہ تھی جس کے باعث اس نے دربدری کی سزا کاٹی تھی۔ اسے اپنے گھر، اپنے ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی اور ایسے میں اس نے گھر سے باہر پناہ ڈھونڈی تھی فرار کا یہ سلسلہ اب بھی موقوف نہیں ہوا تھا۔ بچپن میں وہ اندھیرے سے خوفزدہ ہوتی تھی۔ تنہائی سے خوفزدہ ہوتی تھی اور اب اسباب تبدیل ہوچکے تھے مگر وحشتیں دو چند ہوچکی تھیں۔

رات ایک بوجھل نیند لینے کے بعد وہ صبح دریچے میں کھڑی صبح کی تازگی کو اپنے اندر اتار رہی تھی جب فضا کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

"تمہارا فون ہے۔" وہ یہی سمجھی تھی پاپا ہوں گے۔ اس کی غیر موجودگی میں پریشان ہوں گے تبھی صبح ہی صبح فون کردیا۔ وہ چلتی ہوئی فون اسٹینڈ کے قریب آگئی تھی۔

"ہیلو۔" مدھم آواز میں پکارا تھا۔ دوسری جانب چند ثانیوں تک خاموشی رہی تھی پھر دھیمی آواز ابھری تھی۔

"اس روئے زمین پر تم سا بے درد کوئی نہیں۔ تفاوتوں کی دیوار اٹھانا کوئی تم سے سیکھے۔ خیر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ اتنی دوریوں پر تو اسی طور مبارک باد دی جاسکتی ہے۔" وہ ہنسا تھا اور نتاشا کمال نے اسی لمحے فون پٹخنا چاہا تھا مگر وہ بہت ملتجی لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"پلیز نتاشا قربتوں میں نہ سہی دوریوں میں ہی اپنے احساس کی خوشبو کا مزا چکھنے دو۔"

"شٹ اپ ارحم ضیاء' شٹ اپ مجھے تم سے مزید بات نہیں کرنا ہے۔" لہجے میں ناگواری واضح تھی۔

"او کے' مت کرنا مگر یہ تو بتا دو کیک لے کر مجھے وہاں آنا ہوگا یا پھر تم خود یہاں آرہی ہو؟" وہ مسکرایا تھا اور نتاشا کمال نے فون پٹخ دیا تھا۔

"چچ......چچ اس بے چارے فون پر کیوں غصہ نکال رہی ہو۔ اس کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" پشت پر سے فضا کی آواز آئی تھی۔ مگر وہ کچھ بولے بنا وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

وہ جب بھی آتا تھا۔ اسے بے حد ڈسٹرب کر کے رکھ دیتا تھا۔ جانے کیا ملتا تھا اسے ایسا کر کے وہ جیسے ہر طور نتاشا کمال کے گرد تنی بیگانگی کی اس دیوار کو توڑنا چاہتا تھا۔ جیسے اسے اس کی سرد مہری سے چڑ تھی۔ وہ جان بوجھ کر ایسے طریقے اپناتا تھا کہ وہ زچ ہوسکے مگر نتاشا کمال کے گرد تنی بیگانگی اور سرد مہری کی دیوار اتنی مضبوط تھی کہ کبھی وہ اسے گرا ہی نہ سکا۔

اور اس روز جب وہ ٹیرس پر تھی وہ جانے کب دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ وہ جو سر اٹھائے تاروں سے بھرے آسمان کو دیکھے جارہی تھی۔ یکدم ہی چونکی تھی۔ اس کے متوجہ ہونے پر وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ پھر بہت ہولے سے ریلنگ پر دھرے اس کے نازک ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔ نتاشا کمال نے سر اٹھا کر اس کی سمت قدرے ناگواری سے دیکھا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں جانے کیسے رنگ تھے کہ کچھ بول ہی نہیں سکی تھی۔ ارحم ضیاء اسے توجہ سے تکتا رہا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے اس کے لب مسکرائے تھے۔

اس کی آنکھوں کے سرد خانے میں
منجمد ہو گئے ہیں خواب مرے

"کتنی اجنبی ہیں یہ آنکھیں اور کتنی اجنبی ہو تم مگر سنو اس کے باوجود مجھے ان ستارے چمکتی ان آنکھوں کے سارے رنگوں سے پیار ہے۔ اس سرد لہجے کی بیگانگی مجھے لطف دیتی ہے۔ تمہارے اجنبی لہجے کے سارے اجنبی موسم مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔" مدھم لہجے میں کوئی بات تھی جو آنچ دیتی ہوئی تھی۔ نتاشا نے پل میں چہرے کا رخ پھیرا تھا۔ تبھی ارحم ضیاء اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے جیسے مسکرایا تھا۔

"حیران ہو مجھے اپنے مقابل دیکھ کر؟ تمہیں ہونا بھی چاہیے لیکن یہ طے ہے جہاں تم کوئی دیوار اٹھانے کی کوشش کرو گی۔ وہاں میں ہر دیوار گرانے کی استطاعت رکھتا ہوں کیونکہ مجھے دوریوں کو سمیٹنا ہے تمہارے میرے بیچ پھیلی تمام تفاوتوں کو سمیٹنا ہے۔" دھیما لہجہ پرعزم تھا اور وہ چہرے کا رخ پھیرے اسی طرح کھڑی رہی تھی اور وہ اس کی سمت تکتا ہوا بولا تھا۔

"ایک اچھی خبر ہے۔ میں جارہا ہوں۔ تم واپس اپنے گھر آسکتی ہو۔ فضا تمہاری بڑی شکایت کررہی تھی۔ کیوں آجاتی ہو اور دوسرے روز اسے تنگ کرنے؟"

وہ شاید اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس نے بے حد ناگواری سے اس کی سمت دیکھا تھا مگر وہ بدستور مسکراتا رہا تھا۔

"سنو' کیا رکنے کے لیے نہیں کہو گی؟" اس کے لہجے کے موسم کیسے اپنے سے تھے مگر مقابل نتاشا کمال تھی جو شاید پگھلنا نہیں جانتی تھی مگر اس کی بیگانگی کا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہ تھا۔

"اچھا سنو! الوداع مت کہو مگر اپنا خیال تو رکھو گی نا؟" وہ مسکرا رہا تھا اور تب وہ یکدم ہی قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے ہٹنے لگی تھی۔ اس کی پرواہ کیے بنا کہ فضا میں دور تک خاموشیوں میں لپٹی کتنی بے صدا' صدائیں اس کے تعاقب میں آئی تھیں قدموں سے لپٹی تھیں۔ مگر اس کے باوجود وہ نہ تو رکی تھی' نہ پلٹی تھی۔ نہ اس ایک منظر خاص پر نگاہ کی تھی جو کھڑا دیر تلک اسے دوریوں پر جاتا تکتا رہا تھا۔

☆☆

"تمہیں اس سے نفرت کیوں ہے نناشا کمال؟" فضا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اچانک دریافت کیا تھا اور وہ بے حد چونکتی ہوئی اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

"فقط...... فقط اس لیے کہ وہ تمہاری اسٹیپ مدر کا رشتے دار ہے؟" فضا نے بے حد بے یقینی سے اس کی سمت دیکھا تھا مگر وہ مکمل طور پر اس کی سمت دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"نناشا! یہ بے اعتباری اس درجے کیوں۔ کیا اس کا تمہاری سوتیلی ماں کا رشتے دار ہونا کوئی گناہ ہے اور محبت تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ تم اس درجہ خوفزدہ کیوں ہو؟ یقین کے کیا پیمانے ہیں تمہارے۔ یہ میں نہیں جانتی مگر سنو نناشا کمال تم اچھا نہیں کر رہی ہو۔ محبت در دل پر فقط ایک بار دستک دیتی ہے اور وہ در بہت خوش نصیب ہوتے ہیں۔" فضا جانے اسے کیا یاد کرانا چاہتی تھی مگر اس نے اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی۔

"نناشا! تمہیں نہیں لگتا تم اچھا نہیں کر رہی ہو؟"

"نہیں۔" اس کے ساکت لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔ "کیونکہ میں جانتی ہوں کچھ بھی ویسا نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔ فضا منظروں کو سراب میں نہیں سمجھتی۔ معاملہ سارا یہ ہے کہ یہ سارے منظر بہت جھوٹے ہیں اور تمہیں اس کا احتمال تک نہیں ہے۔"

"کیا پیمانہ ہے تمہارے پاس نناشا کمال؟ کس بل بوتے پر تم یہ بات کہہ رہی ہو۔ صرف اس لیے کہ ارحم ضیاء تمہاری ماں کا کزن ہے۔ وہ ماں جو سوتیلی ہے۔"

"ہاں یہ جواز بھی کم نہیں۔" اس نے کہہ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔ "فضا بہت بھولی ہو تم بہت بھولی۔"

"اور تم؟ حد درجہ بے وقوف ہو۔"

نناشا کمال مسکرا دی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہی ہو اور فضا بے حد خفگی سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"وہ بھلا تمہیں چیٹ کیوں کرے گا۔ کیا انٹرسٹ ہے اسے اور بھلا ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں تم میں۔ زمانے میں لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔ ہزاروں خوب صورت لڑکیاں بکھری پڑی ہیں۔ پھر بھلا ارحم ضیاء تم ہی سنگ کیوں اپنا ماتھا پھوڑ رہا ہے۔ کبھی نہیں سمجھو گی تم۔" فضا نے اسے ڈپٹا تھا مگر وہ مسکرا دی تھی اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

"یہی ایک بات تو تم سمجھ نہیں پا رہی ہو بھولی لڑکی۔ میں اس کے لیے کشش کا باعث یونہی نہیں ہوں۔"

"تو کیا وہ تمہاری دولت کے پیچھے پڑا ہے؟ اوہ کم آن نناشا کمال۔ اٹس ٹو مچ کبھی آنکھیں دیکھی ہیں تم نے اس کی؟ کتنے خواب بولتے ہیں کبھی دیکھا ہے تم نے؟ لیکن نہیں تم ایسی زحمت کیوں کرو گی۔ تمہیں تو اپنے منفی قسم کے بوسیدہ خیالات سے ہی فرصت نہیں ملتی۔" فضا کا لہجہ بلند ہوا تھا۔ تبھی اس نے رک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر اس کی سمت تکتی ہوئی بولی تھی۔

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو نناشا کمال تم ویسا کیوں نہیں سوچتیں جیسا ارحم ضیاء سوچتا ہے؟" وہ اس سے دریافت کر رہی تھی مگر نناشا کمال کچھ نہیں بولی تھی۔ شاید اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ تبھی فضا گویا ہوئی تھی۔

''نتاشا کمال! تم کب تک اپنے خود ساختہ خیالات کی عینک لگائے دنیا کو دیکھتی رہو گی۔ کیوں اعتبار نہیں کرنا آتا تمہیں کیوں یقین سے خالی ہو تم؟''
اور نتاشا کمال کچھ نہیں بولی تھی مگر اس کی آنکھوں میں گہرا اضطراب پھیل رہا تھا۔ فضا نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا۔
''تمہیں ارحم ضیاء سے محبت ہے نا؟'' عجب بے تکا سوال تھا شاید تبھی نتاشا کمال چونکتے ہوئے تکنے لگی تھی۔
''تم پاگل ہو گئی ہو فضا۔'' نتاشا کمال نے متغیر چہرے سمیت اس کی نفی کی تھی مگر فضا نے اس کی سمت تکنا موقوف نہیں کیا تھا۔
''تمہیں ارحم ضیاء سے محبت ہونے لگی ہے نا؟'' اس کا اصرار بڑھنے لگا تھا۔
''شٹ اپ فضا' کیا بکواس کیے جا رہی ہو تم۔'' نتاشا کمال نے اسے باقاعدہ ڈپٹا تھا مگر وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی اور تب نتاشا کمال نے پہلے بہت ہولے سے نظریں چرائیں تھیں پھر ساتھ ہی چہرے کا رخ بھی پھیر لیا تھا۔
پھر کتنے دن تک وہ فضا سے بھی نہیں ملی تھی۔ وہ شاید اب اس سے بھی بھاگنے لگی تھی۔ جانے کیوں اسے فرار کے راستے بہت بھلے لگتے تھے۔ ان پر سرپٹ دوڑتے رہنا اسے اچھا لگتا تھا۔ ساری دنیا سے کنارہ کشی۔ ہر سمت سے خوف اور لامتناہی پھیلے بے سمت راستوں پر بھاگتے دوڑتے قدم جن پر چلتے ہوئے وہ نہ تھکتی تھی نہ رکتی تھی۔
اس روز ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جب وہ اپنے دھیان میں چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔
''کتنے راستے ہیں چار سمت پھیلے ہوئے' کتنی بہت سی منزلیں ہیں۔ پھر میرے قدم تمہاری طرف ہی کیوں اٹھتے ہیں نتاشا کمال۔ ایسا کیا ہے تم میں۔ وقت یونہی بے سمت راستوں پر چلتے چلتے گزر نہ جائے۔ یہ خدشہ مجھے دن رات پریشان کیے رکھتا ہے۔ حیرت ہے تمہیں اس کا ملال تک نہیں؟'' کتنی مدھم مدھم سرگوشیاں اس کے اردگرد پھیلتی رہی تھیں اور اسے دھیان تک نہ رہا تھا کہ کب بوندا باندی بڑھی تھی اور بارش میں بدل گئی تھی۔ وہ چونکی تھی اور پھر بھاگتی ہوئی املتاس کے پیڑ تلے جا رکی تھی بہت سے پھول ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ حد نگاہ تک دھند پھیلی ہوئی تھی۔ موسم جیسے جادو بنا چار سو منظروں پر اپنا اسم پھونک رہا تھا۔

کتنا دلکش ہوں میں کتنی دلنشیں ہو تم
کیا عجب ہے کہ ہم دونوں مر جائیں گے

کسی کا دھیما مدھم لہجہ اس کے اندر گونجا تھا۔ اس نے سر جھکا کر لمحے بھر کو آنکھیں بھیچ کر گیلے بالوں کو چہرے پر سے ہٹاتے ہوئے پیچھے کی سمت سمیٹا تھا۔
''تمہیں ارحم ضیاء سے محبت ہے نا؟'' فضا کا انتہائی بے تکا سوال اس کے اردگرد اپنا حصار باندھنے لگا تھا۔
''تمہیں ارحم ضیاء سے محبت ہونے لگی ہے نا؟'' تکرار بڑھی تھی۔
''نہیں۔'' اس نے با آواز بلند کہہ کر سر نفی میں ہلایا تھا۔
''کیا نہیں؟'' ایک مانوس آواز اس کے گرد پھیلی تھی اور پورا وجود جیسے پل بھر میں اس کے حصار میں آ گیا تھا۔ اس نے ایک لمحے میں آنکھیں کھولیں تھیں اور اپنے قریب کھڑے شخص کو بے یقینی سے تکنے لگی تھی ارحم ضیاء کسی سمت تکتے ہوئے دھیمے سے مسکرایا تھا۔
''مجھے لگا یہ آنکھیں اس گھڑی میرے خواب دیکھ رہی ہیں سو مجھے انہیں ضرور دیکھنا چاہیے۔ دل نے مطلع کیا اور میں چلا آیا۔''
کیسا یقین بول رہا تھا اس کے لہجے میں اور وہ کس قدر بے یقینی سے اسے تکتی چلی گئی تھی۔ ارحم ضیاء نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور گویا ہوا تھا۔
''تمہیں نہیں لگتا میں تمہارے رستوں میں ہوں۔

انہی بے سمت رستوں پر جہاں تم چلتی چلی جارہی ہو۔ اردگرد سے غافل' خود سے لاپرواہ۔ تمہیں نہیں لگتا نتاشا کمال تمہیں ان راستوں سے خود اپنے لیے مجھے چننا چاہیے۔ تمہیں نہیں لگتا تم تنہا کسی منزل تک پہنچ نہیں پارہی تو اس کا سبب کچھ اور ہے۔ وہ جو تم سمجھ نہیں پارہیں۔ یا پھر سمجھتے بوجھتے نگاہ چرانا چاہتی ہو۔'' ارحم ضیاء کے لہجے میں شاید کوئی اسم تھا یا پھر وہ اپنی ہی سوچوں سے پتھر ہوگئی تھی۔

''تم نہ مانو نتاشا کمال مگر میں تمہارے رستوں میں ہوں۔'' وہ پریقین لہجے میں کہتا ہوا بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ ''ترک کردو یہ بے سمت رستوں کا سفر رستہ رستہ بھٹکنا منزلوں کا تعاقب کرنا سب فضول ہے۔ سب فضول۔ رستہ تمہارے سامنے ہے۔ یہی سفر ہے یہی ہم سفر اور یہی منزل' ہاں نتاشا کمال یہ سچ ہے۔ تمہاری آنکھیں بھی یہی کہہ رہی ہیں۔ حیرت ہے تمہیں خبر تک نہیں؟'' بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا اور نتاشا کمال اس ایک لمحے میں جیسے اس سحر سے بیدار ہوئی تھی۔ ایک ٹک اس کی سمت تکتی ہوئی الٹے قدموں پیچھے کی سمت واپس پلٹی تھی۔ پھر یکدم ہی رخ پھیرتے ہوئے سرپٹ دوڑنے لگی تھی۔ مگر بہت سی صدائیں بازگشت بن کر تادیر اس کا پیچھا کرتی رہی تھیں۔

اور پھر جانے کب تک خود سے بھاگتے رہنے کا یہ سفر جاری رہتا کہ انہی دنوں ایک روح فرسا واقعے نے اس کے حواس منجمد کردیئے تھے۔ پاپا معمول کے مطابق صبح آفس گئے تھے مگر واپسی پر کار ایکسیڈنٹ میں ان کے انتقال کی خبر گھر آئی تھی اور وہ جو پہلے ہی ایک صدمہ بھگت چکی تھی۔ اس خبر پر خود اپنا ہوش گنوا بیٹھی تھی۔ کتنی ساکت تھی جب ارحم ضیاء نے اس کا سر اپنے شانے پر دھرتے ہوئے تسلی دی تھی مگر تب بھی ایک بھی آنسو اس کی آنکھ سے نہیں ٹپکا تھا۔ پاپا منوں مٹی تلے جاسوئے تھے مگر وہ تب بھی اسی طرح پتھر بنی سب کچھ تکتی رہی تھی۔ پھپھو اس کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھیں۔ فضا اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔ رابعہ بیگم بھی شاید دنیا دکھاوے کو اس سے بہت لگاوٹ کا مظاہرہ کررہی تھیں۔ مگر اس نے کسی سے بات نہیں کی تھی چپ چاپ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی پاپا کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ان کی ایک ایک شے کو چھوتے ہوئے' ان کی تصویر کو تکتے ہوئے جانے کب آنسو خود بخود آنکھوں کے کنارے سے پھسلتے چلے گئے تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھی تھی اور پھر دھاڑیں مار کر رونے لگی تھی۔ جانے کتنی دیر یونہی جی کا غبار دھوتے گزر گئی تھی۔ کوئی اس طرف نہیں آیا تھا۔ اس کا وجود بہت ہولے ہولے ہچکیوں کے باعث ہل رہا تھا اور وہ پاپا کی تصویر پر سر دھرے ہوئے تھی۔ جب ارحم ضیاء بہت ہولے سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر تک اسے یونہی خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا اور بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''نتاشا تم تنہا نہیں ہو۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ فضا' پھپھو' رابعہ آنٹی اور میں۔ ہم سب تمہارے ہیں۔ تمہارے ساتھ ہیں۔ تم تنہا نہیں ہو۔'' نتاشا کمال نے بہت ہولے سے سر اٹھا کر اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ آنکھوں میں یقین لیے اس کی سمت تکتا ہوا اس کا حوصلہ بندھا رہا تھا۔

''ہاں نتاشا کمال تمہارے اندر جو بھی درد ہے اسے میرے شانے پر سر دھر کر بہادو۔ اپنے تمام دکھ مجھے سونپ دو۔ مگر اس یقین کے ساتھ کہ تمہیں آج کے بعد پھر کبھی نہیں رونا۔''

نتاشا کمال نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر دوجے ہی پل اس کے شانے پر سر دھرتے ہوئے اپنے اندر کا درد بہانے لگی تھی۔

☆☆

اور پھر زمین کے سر پر آسمان نے اپنے پیار کا آنچل ڈال دیا تھا اور زمین اس احساس تحفظ سے اندر تک محبت کی خوشبو سے بھرتی چلی گئی تھی۔ آسمان زمین کی محبت کی خود سپردگی پر سرشار تھا مگر زمین بہت سے اندیشوں کا شکار تھی۔

''ارحم ضیاء! میں نے اس ساری دنیا میں تم پر اعتبار کیا ہے۔ میرے اعتبار میرے یقین کو توڑنا نہیں۔ ورنہ شاید میں جی نہیں سکوں گی۔'' نتاشا کمال نے اپنے اندر موجود شخص سے لبوں پر خاموشیاں دھرے اقرار چاہا تھا اور جواباً ارحم ضیاء کی آواز اس کے اندر گونجتی چلی گئی تھی۔

''تم تنہا نہیں ہو۔''

ارحم ضیاء چلا گیا تھا مگر اپنا خیال وہ وہیں چھوڑ گیا تھا۔ اس دھانی آنچل کے سنگ باندھ گیا تھا۔ اس کی خوشبو وہیں تھی اور نتاشا کمال اس خوشبو سنگ مہک رہی تھی۔

''فضا مجھے خبر ہی نہیں ہوئی جانے کب میں اس خیال سنگ بندھنے لگی۔ جانے کب نیند نظروں سے دور ہوئی۔ مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ فضا مجھے تو محبت کی خبر تک نہ تھی۔ کچھ پتا تک نہیں رہتا۔ ساری دنیا سنگ کر دیتی ہے محبت۔ ایک جہاں آباد کر دیتی ہے۔ ایک ایسا ہی جہاں میں اپنے اندر بنتا دیکھ رہی ہوں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ یہی محبت ہے۔ شاید اسے محبت ہی کہتے ہیں۔'' وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔ فضا نے اپنی اس دوست کو دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

''تمہارے اقرار کے لفظ ارحم ضیاء سن لے تو شاید خوشی سے پاگل ہو جائے۔ بہت ستایا ہے تم نے اسے۔'' فضا مسکرا رہی تھی اور ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو بھی چھو گئی تھی اور جب وہ سر جھکائے فرش پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی تبھی فضا بولی تھی۔

''تمہیں یہ اقرار ارحم ضیاء کو سونپ دینا چاہیے نتاشا کمال۔''

''تمہیں لگتا ہے مجھے ایسا کرنا چاہیے؟'' نتاشا کمال اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں ایسا کرنا چاہیے؟''

''پتا نہیں۔'' نتاشا کمال شانے اچکاتے ہوئے جھکا گئی تھی۔ پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سر اٹھا کر گویا ہوئی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے فضا کیا ارحم ضیاء واقعی وہ رائیٹ مین ہے۔ جس کی مجھے تلاش تھی' جس کا انتظار مجھے تھا؟''

''اس کا جواب تو تمہیں خود اپنے آپ سے مانگنا چاہیے۔ محبت تو آنکھوں میں روشنی بھر کر چہرے پڑھنے کا فن عطا کرتی ہے۔ کیا تم نے کبھی ارحم ضیاء کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش نہیں کی جو اس درجے بے یقینی کا شکار ہو؟'' نتاشا کمال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا پھر خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔

''مجھے کچھ پتا نہیں فضا میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نتاشا کمال تمہارا پرابلم یہ ہے کہ تم خواہ مخواہ کے وہموں کا شکار ہو۔ اپنی سوچ کو مثبت کرو۔ سب کچھ برا نہیں ہے۔'' فضا نے کہا تھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

اور پھر اسے اس ایک آنے والے شخص کا انتظار رہنے لگا تھا۔ اٹھتے' بیٹھتے۔ سوتے جاگتے وہ اس خیال کو اپنے سنگ محسوس کرنے لگی تھی مگر ہجر دنوں کی کہانیاں طویل ترین ہوتی چلی گئی تھیں۔ اس روز وکیل پاپا کی وصیت لے کر آیا تھا۔ رابعہ بیگم ابھی تک اس گھر میں اس کے ساتھ مقیم تھیں۔ اسے ان کے وجود سے کوئی سروکار نہ تھا۔ سو اسے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ یہاں رہتیں یا کہیں بھی رہتیں۔

وکیل کے کہنے کے مطابق پاپا نے اپنی کل جائیداد کا وارث و مالک اسے قرار دیا تھا۔ رابعہ بیگم کے نام

ایک گھر اور کچھ بینک بیلنس چھوڑا تھا۔ وصیت سن کر رابعہ بیگم کے چہرے پر تاریکیاں پھیلتی چلی گئی تھیں۔ اس کے لیے دولت ثانوی حیثیت رکھتی تھی جب سے اس نے آنکھ کھولی تھی خود کو اسی حیثیت میں پایا تھا۔ یہی شان و شوکت دیکھی تھی۔ سو کسی شے کی بھوک نہیں تھی۔ سوائے یہ وصیت نامہ سن کر کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی تھی۔ شاید وہ شعوری لاشعوری طور پر اس سے آگاہ تھی کہ سب کچھ اسی کا ہے۔ اسی کے نام ہے۔ اسے کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ وہ تو دھیان گیان کے موسموں میں کھوئی خود سے باتوں میں مگن بس ایک شخص کی لگن سنگ جی رہی تھی۔ انتظار تھا تو فقط اس ایک آمد کا۔

اور پھر وہ ایک لمحہ آگیا تھا اور چار سمت جیسے پھول بکھرنے لگے تھے۔ وہ دم سادھے ٹیرس پر کھڑی تھی۔ جب وہ چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ نتاشا کمال نے سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا۔ مگر اس کے روم روم میں ایک خوشبو پھیلنے لگی تھی۔ ارحم ضیاء چند ثانیوں تک خاموشی سے اس چہرے اس سراپے کو تکتا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک ہاتھ کو تھام لیا تھا۔

"کیا مجھے یہ آنکھیں یہ چہرہ دیکھنے کی اجازت نہیں دو گی؟" بہت مدھم لہجے میں کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"ان آنکھوں کو پڑھنے کی اجازت نہیں دو گی؟" بہت ہولے سے شہادت کی انگلی سے اس کا چہرہ قدرے اوپر اٹھایا تھا۔

"کیا میں ان آنکھوں کو پڑھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔ کیا اجازت ہے کہ ان آئینوں میں اپنا عکس دیکھ سکوں؟" کیسا خواب سا لہجہ تھا اس کا اور نتاشا کمال نظریں چرا گئی تھی۔

وہ زیر لب مسکرایا تھا۔ نتاشا کمال نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔ مگر اقرار کے سارے لفظ اس کی جھکی آنکھوں کی پلکوں پر درج تھے اور ارحم ضیاء کی آنکھیں وہ اقرار کے سارے لفظ چپکے چپکے چن رہی تھیں۔ اس روز وہ شام دیر تک ساتھ رہے تھے۔ ارحم ضیاء کتنے اقرار اسے سونپتا رہا تھا۔ اپنی اضطرابیوں کی کتنی کہانیاں اسے سناتا۔ محبت کے لمحوں کو امر کرتا رہا تھا۔

"نتاشا کمال مجھ سے شادی کرو گی؟" مدھم روشنیوں میں کینڈل لائٹ ڈنر کرتے ہوئے وہ بہت ہولے سے گویا ہوا تھا اور نتاشا کمال اس کی سمت ساکت سی تکنے لگی تھی۔ تب ارحم ضیاء نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔

"بہت سے خواب لمحے ہماری مسافتوں کی راہ تک رہے ہیں۔ آؤ ان خواب مسافتوں پر ایک ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے سنگ سنگ چلیں۔" ارحم ضیاء کے لہجے میں جیسے زمانے بول رہے تھے مگر وہ آنکھوں میں جانے کون سے خدشے لیے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ارحم ضیا! مجھے دھوکہ تو نہ دو گے؟"

اور ارحم ضیاء بے یقینی سے اس کی سمت تکنے لگا تھا مگر وہ اس سے بے نیاز سر جھکا کر بولتی چلی گئی تھی۔

"ارحم ضیاء! میں نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تم پر اعتبار کیا ہے۔ فقط تم پر یقین کیا ہے میرے اس یقین کا اس اعتبار کا مان رکھنا اگر یہ اعتبار ٹوٹا تو شاید میں بھی ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔ ارحم ضیاء مجھے ٹوٹنے اور بکھرنے مت دینا۔" اس کے مدھم لہجے میں جانے کیا تھا۔ کیسی درخواست تھی یہ کہ ارحم ضیاء اس کی سمت تکتا چلا گیا تھا۔

اس روز ستارے دل کے آنگن میں تھے جب ارحم ضیاء نے اپنے نام کی انگوٹھی بہت خاموش لمحوں میں اس کی نازک انگلی میں منتقل کی تھی۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ شام میں تمہیں کسی سے ملوانے جا رہا ہوں۔"

"کس سے؟" وہ حیراں ہوئی تھی۔

"سرپرائز۔" وہ مسکرایا تھا۔ نتاشا کمال نے خاموشی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی وہ ہولے سے

گویا ہوا تھا۔

''کوئی خدشہ؟'' اور وہ مسکراتے ہوئے یکدم سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

''تم کہو تو میں آنکھیں بند کر کے انگاروں پر بھی پاؤں دھر سکتی ہوں ارحم ضیاء۔'' وہ بولی تھی اور پھر چند ہی لمحوں بعد وہ تیار ہونے کے بعد اس کے ساتھ تھی۔

''تم میرے سنگ کہاں تک چل سکتے ہو ارحم ضیاء؟'' وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا جب وہ بولی تھی۔ وہ مسکرایا تھا۔

''زمین کی آخری حد تک۔'' لہجے میں یقین ہی یقین تھا۔

''اور اگر زمین سکڑ گئی تو۔''

''اپنے سارے ڈر مجھے سونپ کر مجھ سے محبت کا یقین لے لو۔'' وہ ونڈ اسکرین کی جانب تکتا ہوا بولا تھا۔ نتاشا کمال نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے سر سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک دیا تھا اور بہت اطمینان سے آنکھیں موندھ لی تھیں۔ شاید سفر کچھ طویل تھا۔

یکدم جانے کیا ہوا تھا۔ کوئی شے اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی۔ کوئی نرم سا کاٹن پیڈ یا پھر، مگر ہوش تھے کہ کھوتے چلے گئے تھے۔ اس نے بہ مشکل آنکھیں کھول کر خود کو حواسوں کے سنگ قائم رکھنا چاہا تھا مگر ہر منظر جیسے خواب بنتا چلا گیا تھا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں اور وہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہوتی چلی گئی تھی۔ ہر سمت جیسے اندھیروں سے بھر گئی تھی اور ہر منظر اس میں دفن ہوتا چلا گیا تھا۔

☆☆

سختی سے بند پلکیں بہت ہولے سے لرزی تھیں۔ ذہن بیداری کی سمت لوٹ رہا تھا۔ ہوش وخرد دامن پکڑ رہے تھے۔ ذہن جیسے جاگ رہا تھا۔ کچھ ڈوبتے ابھرتے منظر پلکوں کے اندر بھر رہے تھے۔ مگر ربط کچھ بن نہ پا رہا تھا۔ اس نے کوشش کر کے آنکھیں کھولی تھیں۔ اپنی ول پاور سے خود کو بیدار کیا تھا۔ کتنی دیر تک وہ کھلی آنکھوں سے ارد گرد کے ماحول کو دیکھتے ہوئے کچھ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ پھر یکدم ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا اور وہ دوجے ہی پل اٹھ بیٹھی تھی۔ اسے بیدار ہوتے دیکھ کر کوئی اس کے قریب آیا تھا۔ اس کے لیے چہرہ، وہ کمرہ اور اس کے تمام منظر اجنبی تھے۔ شاید کچھ سمجھنے کی کوشش کرتی ہوئی وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''میں صدقے، میں واری، چندے ماہتاب، ڈلے ماشاء، خدا نظر بد سے بچائے، ہیرا ہے یہ تو، ارے اپنے تو نصیب کھل گئے۔ بلبل ہزار داستان میں آج چاند اتر آیا ہے۔ دیکھو کیسی روشنی پھیلی ہے چار سو۔ ارے شفقت اللہ کیا ہیرا ڈھونڈ لایا تو دیکھ تو بلبل ہزار داستان کی قسمت جاگ اٹھی ہے آج۔'' ایک بھاری بھر کم عورت نے اس کی نظر اتارتے ہوئے ساتھ کھڑے ایک طویل قد وقامت والے اس شخص کو دیکھا تھا۔ نتاشا کمال نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنے چہرے سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

''کو......کون ہو تم اور کہاں ہوں میں؟'' عورت اس کا سوال سن کر ہنسنے لگی تھی۔

''لے سن تو اسے یہی خبر نہیں ذرا بتا اسے کون ہوں میں۔'' بھاری بھر کم عورت نے اس طویل قد وقامت والے شخص کی سمت دیکھا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو تھامتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

''اے بلو قسمت جاگ گئی تمہاری۔ نصیبہ کھل گیا۔ تم اس وقت بہت محفوظ ہاتھوں میں ہو۔'' بلبل ہزار داستان اس پورے بازار کی پر رونق عمارت ہے اور اس وقت تم اس بالے کی رونق دو چند کر رہی ہو۔'' عورت مسکرا رہی تھی اور نتاشا کمال کی نظریں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ نظر میں وہ ایک آخری منظر ابھرا تھا۔

''تم میرے سنگ کہاں تک چل سکتے ہو ارحم ضیاء؟''

"زمین کی آخری حد تک۔"

"اور اگر زمین سکڑ گئی تو؟" اس کا پر خدشہ ہونا۔

"اپنے سارے ڈر مجھے سونپ کر مجھ سے محبت کا یقین لے لو۔" کسی کا یقین دلانا' اور اس کا اس یقین پر ایمان لا کر مطمئن ہو کر پلکیں موندھ لینا اور...... اور...... پھر...... اسی عالم مدہوشی میں کسی کاٹن پیڈ کا اپنے ناک سے ٹکرانا اور اس کے بعد......

ہر سمت اندھیرا ہی اندھیرا۔

اس کے اندر دور تک ایک کرب پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس کا جی چاہا تھا حلق کھولے اور اتنی زور سے چیخے کہ آسمان زمین پر آن گرے یا پھر زمین کا سینہ چاک ہو جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

ایک رانجھے نے ہیر کو بازار کی زینت بنا دیا تھا۔

ایک مجنوں نے اپنی دیوانگی دکھا کر کسی لیلیٰ کو آخری حدوں تک لا کر کسی دلدل کے سپرد کر دیا تھا اور محبت؟

محبت آہ وزاری کرتی رہ گئی تھی۔ اپنی آنکھیں بند کیے کہیں دور کھڑی اپنی بے قدری پر روتی رہ گئی تھی۔ آہ محبت۔

"ارے سونی مہنگے داموں خریدا ہے تجھے' بڑا ہی بے قدرا تھا وہ تیرا چاہنے والا۔ بڑے ہی ماندے داموں بیچ گیا تجھے۔ کوڑیوں کے مول۔ ایسے اونے پونے داموں تو کوئی اپنا جانور بھی نہیں بیچتا۔ لگتا ہے بہت جلدی میں تھا۔ ورنہ تمہارے دام تو اس سے زیادہ ہی کھرے کیے جا سکتے تھے۔" وہ بھاری بھرکم خاتون اس کی بے قدری پر دل کھول کر افسوس کر رہی تھی اور وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا۔

اپنے سارے ڈر مجھے سونپ کر مجھ سے محبت کا یقین لے لو!

اے محبت۔

کیسے لوٹا گیا تھا اسے کس میٹھی چھری سے ذبح کیا گیا تھا۔ کیا خون ہوا تھا اس کے اعتبار کا۔ اس کے یقین کا...... اور...... اس دل کا۔

اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا۔

کتنے موتی ٹوٹ کر بکھرے تھے اور بے قدری سے خاک میں مل گئے تھے۔

وہ اسی طرح آنکھیں میچے بیٹھی تھی جب اس عورت نے اس کے چہرے کو ہاتھ سے تھام کر اوپر اٹھایا تھا۔

"دیکھو بلبل اس طرح رونا دھونا نہیں چلے گا۔ جو ہو گیا اس پر مٹی ڈالو۔ یہ بازار تو کچھ نہیں' دنیا تو اس سے بھی بڑا بازار ہے۔ یہاں سے نکل کر کہیں جگہ نہیں ہو گی تمہارے لیے۔ اگر غور سے دیکھو اور سوچو تو یہ کوئی اتنی بری جگہ بھی نہیں۔ بس نام کو بری ہے۔ جتنا ماتم کرنا ہے آج ہی کر لو۔ اس کے بعد رونا دھونا نہیں دیکھنا چاہتی میں تمہارا۔ اور ہاں کان کھول کر سن لو۔ یہاں پر آنے کے بعد واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ یہاں سے بھاگنے یا کوئی انتہائی اقدام کرنے کا خیال دل سے نکال دینا۔ ورنہ انجام اچھا نہیں ہو گا۔ بلبل ہزار داستان ایسی کئی داستانوں سے بھرا پڑا ہے۔" عورت اسے وارننگ دیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"شفقت اللہ نظر رکھو اس پر۔" ہدایت نامہ جاری ہوا تھا اور وہ عورت باہر نکل گئی تھی۔ اس چھوٹے سے حبس زدہ کمرے میں گھٹن زدہ ماحول میں اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

سانس جیسے رک سی رہی تھی۔

کتنی گھٹن تھی اندر بھی کہیں

دل کس قدر مشکل میں تھا۔

☆☆

پارٹی اپنے عروج پر تھی مگر اس کی توجہ اس ماحول پر نہ ہونے کے برابر تھی۔ رابعہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"اوہ کم آن ارحم ضیاء' کہاں گم ہو تم کتنی بڑی سیلیبریشن پارٹی رکھی گئی ہے۔ کتنی بڑی کامیابی ہے اور تم ہو کہ' کیا سوچ رہے ہو' کہیں تم ڈیل کرنے کے

باوجود بھی اس بلبل کو تو نہیں سوچ رہے۔ جو اس وقت ہزار داستان کا حصہ ہے۔ رابعہ بیگم کا زوردار قہقہہ ابھرا تھا۔ مگر ارحم ضیاء محظوظ قطعاً نہیں ہوا تھا۔ رابعہ بیگم نے اسے ناگوار تیوروں سے دیکھا تھا۔

''دیکھو بنا بنایا کھیل بگاڑ مت دینا۔ یہاں کوئی یہ بات نہیں جانتا کہ نتاشا کمال اس وقت کہاں ہے۔ سب کو یہی بتایا گیا ہے کہ وہ تعلیم کے لیے بیرون ملک چلی گئی ہے اور......''

مگر ارحم ضیاء نے رابعہ بیگم کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی اس کا بازو تھام کر اسے کھینچتے ہوئے اندر کی جانب لے آیا تھا۔ رابعہ بیگم اس اقدام پر سیخ پا ہو گئی تھیں۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ جو کچھ بھی ہوا تم اس میں برابر کے شریک ہو۔ پھر یہ جارحانہ رویہ کیوں؟ کیا تمہیں اس سے سچ مچ محبت ہو گئی تھی؟ اوہ آئی سی۔'' رابعہ بیگم یکدم چونکی تھیں اور پھر ہنستی چلی گئی تھیں۔

''تو تمہیں نتاشا کمال سے واقعی محبت ہو گئی ہاں!''

''شٹ اپ آئی سے شٹ اپ۔'' وہ چیخا تھا مگر وہ ہنستی چلی گئی تھیں۔

''میں بارہا لگتا تھا کہ تم اس کے ساتھ سنجیدہ ہو رہے ہو مگر واہ بھئی داد دینی پڑے گی تمہاری ایکٹنگ کی۔ کیا کمال کا کھیل کھیلا تم نے۔ حالانکہ تمہاری کامیاب اداکاری اور دیوانگی دیکھ کر میں یہی سمجھی تھی کہ تم مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ جاؤ گے۔ مگر تم تو خاصے ڈیڈی کیٹڈ پرسن ہو۔ بڑی خوش اسلوبی اور ڈیڈی کیشن سے اپنا رول پلے کیا کہ میں بھی دنگ رہ گئی۔ اس بے چاری کے تو گماں تک میں نہ ہوگا۔ اسے اس طرح مس یوز کیا جائے گا۔ سزائیں تو میں اسے اور بھی دے سکتی تھی مگر میری نفرت کی حد نہیں جانتے تم۔ سوتن کی بیٹی بھی سوتن ہوتی ہے اور وہ سولہ برس تک میرے سینے پر ناگن بن کر لوٹتی رہی ہے۔ صرف اس کے باعث کمال ملک نے میرے آنگن میں کوئی پھول نہیں کھلنے دیا۔

آج جو میں بنجر ہوں تو اس کا سبب فقط وہ ڈائن ہے جو باپ کی توجہ کا سدا مرکز رہی۔ جانتے ہو اگر آج مجھ سے کوئی اولاد ہوتی تو وہ اس جائیداد میں برابر کی حصہ دار ہوتی اور یہی کمال ملک نہیں چاہتا تھا۔ اسے اپنی بچی بے حد عزیز تھی۔ کئی بار میں نے اسے بدظن کرنا چاہا مگر مرتے دم تک وہ بڈھا اس محبت پر قائم رہا۔ سارا کچھ اس کے نام لکھ گیا۔ اب اسے بتاؤ کیا کچھ نہیں بکتا یہاں پر اور کیا کچھ نہیں خریدا جا سکتا۔ وکیل، قانون، وصیتیں، کیا کچھ نہیں بدلوایا جا سکتا اس پیسے کے بل بوتے پر۔ بیٹی کے مر جانے کے بعد بیوہ ہونے والی بیوی کا بھی تو کوئی حق ہوتا ہے اگرچہ بیٹی مری نہیں، مگر دنیا کی نظروں سے اوجھل تو ہو گئی ہے۔ کہاں نکل سکے گی وہ اس دلدل سے، نکل بھی گئی تو اس وقت تک گیم ہی بدل چکا ہوگا۔ وہی وکیل جو اس روز وصیت سنانے آیا تھا آج صبح ہی نئی وصیت بنا کر مجھے دکھانے آیا تھا۔ اس وصیت کے مطابق سیاہ و سفید کی کلی طور پر وارث میں ہوں۔ وہ بلبل تو گئی اب۔'' وہ کہہ کر ہنسنے لگی تھیں۔

''سنو ارحم ضیاء بھول جاؤ اسے۔ ڈیل کے مطابق تمہیں ففٹی پرسنٹ ملے گا۔ یعنی ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں کروڑوں اور کروڑ پتی ہونے کے بعد کہاں کمی ہو گی تمہیں لڑکیوں کی۔ ایسی ہزاروں بلبلیں تمہاری راہ میں ہوں گی۔ مبارک ہو کامیاب رہے ہیں ہم۔''

''ہم نہیں فقط تم۔'' ارحم ضیاء نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ رابعہ بیگم چونکی تھی۔

''کیوں تمہیں نہیں چاہیے اپنا حصہ؟''

''یہ کھیل تمہارا تھا سراسر۔''

''مگر کھیل میں حصہ دار تو تم بھی تھے۔ اب کیا دستبردار ہو رہے ہو تم اپنے حصے سے؟'' رابعہ بیگم مسکرا رہی تھی۔ مگر وہ فقط خاموشی سے اس کی سمت دیکھتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔

''اے مجنوں اس طرح کوبہ کو پھرنے سے کچھ

حاصل نہ ہوگا۔'' پیچھے سے رابعہ بیگم کی آواز آئی تھی مگر وہ رکا نہیں تھا۔ پلٹا نہیں تھا۔ اسی طرح چلتا ہوا پورچ میں آیا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''ارحم ضیاء، دھوکہ تو نہ دو گے مجھے؟''

''ارحم ضیاء، میں نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تم پر اعتبار کیا ہے۔ فقط تم پر یقین کیا ہے۔ میرے اس یقین کا' اس اعتبار کا مان رکھنا اگر یہ اعتبار ٹوٹا تو شاید میں بھی ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔ ارحم ضیاء مجھے ٹوٹنے اور بکھرنے مت دینا۔'' کتنی درخواستیں تھیں۔

کتنی عرضیاں تھیں محبت کی اور کیسے رد ہوتی چلی گئی تھیں سب کی سب۔

☆☆

اس کی آنکھوں کے سرد خانے میں
منجمد ہو گئے ہیں خواب مرے

''نتاشا کمال مجھ سے شادی کروگی؟''

کتنا دلکش ہوں میں کتنی دلنشیں ہو تم
کیا عجب ہے کہ ہم دونوں مر جائیں گے

''تم نہ مانو نتاشا کمال۔ مگر میں تمہارے رستوں میں ہوں۔ تمہیں نہیں لگتا تمہیں ان راستوں سے خود اپنے لیے مجھے چننا چاہیے۔ ترک کردو یہ بے سمت راستوں کا سفر رستہ رستہ بھٹکنا' منزلوں کا تعاقب کرنا۔ سب فضول ہے سب فضول' رستہ تمہارے سامنے ہے۔ یہی سفر ہے۔ یہی ہمسفر اور یہی منزل۔''

کتنی یادیں تعاقب میں آرہی تھیں۔ کتنے سراب منظر آنکھوں کو لہورنگ کررہے تھے۔ لہورلا رہے تھے۔ کیسے گھر ٹوٹا تھا۔ دل ٹوٹا تھا۔ سب کچھ ایک طرف ڈال کر وہ یکدم اٹھی تھی۔ شفقت اللہ اور بہت سے لوگوں نے اس کا رستہ روکنے کی کوشش کی تھی مگر اس گھڑی جیسے اس میں کوئی اور روح حلول کر گئی تھی۔ کیسی طاقت ور ہوگئی تھی وہ۔ ایک کمزور سے وجود کی مالک۔ ایک کمزور سی لڑکی۔ کتنی قوی ہوگئی تھی۔ کیسے سر پٹ دوڑتی ہوئی وہ ان کے حصار سے نکل رہی تھی۔ کیسے قدم قدم زینہ طے کررہے تھے۔ کتنے لوگ اس کے تعاقب میں بھاگ دوڑ رہے تھے مگر اسے اس بات کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔ وہ لہورنگ آنکھوں سے منظروں کو تکتی' زخمی پیروں سے ہر شے روندتی۔ بھاگتی چلی جارہی تھی۔ مگر اس لمحے نظر آنے والا منظر سراب نہ تھا۔ اس لمحے نظر کوئی سراب نہیں دیکھ رہی تھی۔ جو کچھ تھا سب حقیقت تھا۔ منظر کے سارے رنگ حقیقی تھے اور حقیقت شاید بہت تکلیف دیتی ہے۔ ایک ایسا ہی درد اس گھڑی نتاشا کمال کے اندر اٹھ رہا تھا۔ یکدم ایک زوردار چیخ ابھری اور سب کچھ سناٹے کی زد میں آگیا تھا۔

مطلوبہ مقام پر پہنچ کر ارحم ضیاء نے گاڑی روکی تھی۔ اس سے آگے خاصا ہجوم تھا۔ وہ بھیڑ کاٹتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ بہت سے لوگ بہت بے پرافسوس جملے ادا کررہے تھے۔

''بہت برا ہوا بھیا۔''

''لے بھئی ہزار داستان کی بلبل تو پھر سے اڑگئی۔''

''بے چاری تنگ ہوگی اس زندگی سے۔''

''چلو جہنم سے آزاد ہوئی۔''

''بلبل ہزار داستان تو ویران ہوگیا۔'' کوئی منچلا محظوظ ہورہا تھا۔ جتنے منہ' تھے اتنی باتیں۔ ارحم ضیاء تیزی سے رستہ بناتا آگے بڑھا تھا اور اس سے آگے کا دلخراش منظر دیکھ کر اس کی نظریں ساکت رہ گئی تھیں۔

''ارے بھایا سنا تھا۔ شریف زادی تھی کوئی ایسی بے عزتی کی زندگی نہ سہہ سکی اور بلبل ہزار داستان کی عمارت سے چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دی۔''

''آہ کیسی کیسی داستانوں سے بھرا پڑا ہے یہ بازار بھی۔ ہر روز ایک نئی داستان ہر روز ایک نئی بلبل۔ یہ خطہ تو مشہور ہے صاحب ایسی داستانوں کے لیے۔''

جانے کون کون افسوس کررہا تھا۔

ارحم ضیاء نے قریب جاکر اس چہرے' ان آنکھوں

کو دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں جو آج ساکت تھیں۔ وہ لب جو آج بے جان تھے۔

کتنا دلکش ہوں میں کتنی دلنشیں ہو تم
کیا عجب ہے کہ ہم دونوں مر جائیں گے

"ارحم ضیاء! مجھے دھوکہ تو نہ دو گے؟" ایک خدشے سے پر لہجہ۔

"ارحم ضیاء! میں نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تم پر اعتبار کیا ہے۔ فقط تم پر یقین کیا ہے۔ میرے اس یقین کا اس اعتبار کا مان رکھنا۔ اگر یہ اعتبار ٹوٹا تو شاید میں بھی ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔"

ارحم ضیاء مجھے ٹوٹنے اور بکھرنے مت دینا۔

ان بند آنکھوں' ان گلاب سی پنکھڑی جیسے لبوں' اس چاند سے چہرے' اس خوشبو کے پیکر کو اس نے ساکت نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ بے جان وجود اس گھڑی اس کے سامنے تھا۔ وہ خواب خواب سا سراپا اس گھڑی خواب ہو چکا تھا۔ وہ ستارہ آنکھیں بجھ چکی تھیں۔ وہ چاند ڈھل چکا تھا۔ سارا منظر بدل چکا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سرد خانے میں
منجمد ہو گئے ہیں خواب مرے

سختی سے لب بھینچے وہ اس خون رنگ منظر کو دیکھ رہا تھا۔

"کسی نے پولیس کو بھی مطلع کیا یا نہیں؟"

"ارے بھئی کر دیا ہے۔ آتی ہی ہو گی وہ بھی۔ ان مسٹنڈے حوالداروں کے لیے کون سی نئی نوعیت کا واقعہ ہو گا یہ۔ یہاں تو ایسے قصے روز ہوتے رہتے ہیں۔ تسلی سے آئیں گے وہ بھی۔" کوئی تذکرہ خیال کر رہا تھا۔

ارحم ضیاء قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ پھر گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ چند ثانیوں تک خاموشی سے اس وجود کو تکا تھا۔

"ارحم ضیاء! مجھے دھوکہ تو نہ دو گے؟" ایک سرگوشی ابھری تھی۔ اس نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا تھا۔ جانے کب آنکھوں میں پانی آن ٹھہرا تھا اور جانے کب بہہ کر اس چہرے پر موتی بن کر بکھر گیا تھا۔

"میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔"

"ارحم ضیاء مجھے ٹوٹنے اور بکھرنے مت دینا۔"

ایک عرضی ایک درخواست۔

"ارے یہ کون مجنوں ہے۔" کسی نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔

"ارے ہو گا کوئی عاشق' کوئی پرستار۔" کسی نے سرسری انداز اختیار کیا تھا۔

ارحم ضیاء کے کان جیسے ہر سمت سے بند تھے۔ اس وجود کو اپنا لمس دینے کے بعد وہ یکدم اٹھا تھا اور پھر اس بھیڑ کو چیرتا ہوا گاڑی تک آ گیا تھا۔ ان تھکے ماندے قدموں میں جیسے برسوں کی تھکن تھی۔

جیسے وجود برسوں سے سفر میں تھا اور یکدم سب کچھ بے سود ثابت ہوا تھا۔

لاحاصل رہا تھا۔ جیسے سب کچھ ایک پل میں فنا ہو گیا تھا۔

کیسی شکستگی تھی ان قدموں میں' کیسی ہاری ہوئی تھیں وہ آنکھیں۔

کتنا شل تھا سارا وجود اور دل!
کتنا بوجھل بوجھل سا تھا سب کچھ!
کیسا بے نام سا اضطراب یہاں سے وہاں پھیلا ہوا تھا۔
اور کیسا بنجر لگ رہا تھا سب کچھ۔
جیسے سارا منظر دل تھا۔
دل میں ویرانہ تھا۔
اور ویرانے میں سارا منظر جلتا تھا۔
کوئی ان دیکھا الاؤ تھا۔
کوئی ان جانا اضطراب تھا۔
اور سارا منظر خاک تھا۔ راکھ تھا۔